QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

مصادرِ علمیہ کا اسلامی تصوراور بنیادی مصادرِ شریعہ کا تحقیقی جائزہ

The Islamic Concept of Sources of Knowledge & primary sources of Islamic Shariah; A Research Review

Dr. Muhammad Tahir Jan
Assistant Professor, Govt. Graduate College, Gojra. Email: dr.muhammadtahirjan@gmail.com
Muhammad Irfan Raza
Doctoral Candidate, Dept. of Islamic Studies, Govt. College University Faisalabad. Email: irfanraza4126@gmail.com
Fazail Asrar Ahmad
Doctoral Candidate, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of the Punjab, Lahore/ Visiting Faculty Member, Department of Law, University of Sialkot. Email: fazailkh11@gmail.com

The Islamic concept of sources of knowledge forms a foundational framework guiding intellectual pursuits and understanding within Islamic thought. Rooted deeply in the Quran and the Hadith (Prophetic traditions), this concept delineates avenues through which believers acquire knowledge, discern truth, and navigate their worldly and Spiritual endeavors. This paper explores the multifaceted nature of these sources, encompassing revelation, reason, tradition, and experience, elucidating their interplay and significance within Islamic epistemology. It examines how these sources inform various fields including theology, law, ethics, and philosophy, shaping the Muslim worldview and approach to knowledge acquisition. Through a comprehensive analysis, this study aims to elucidate the richness and dynamism of the Islamic understanding of sources of knowledge & the Primary sources of Islamic Shariah.

Keywords: Islamic, sources of knowledge, Quran, Hadith, revelation, reason, tradition, experience, epistemology, theology, law, ethics, philosophy, Muslim worldview.

تمہید:

ذرائع علم کا اسلامی تصور مادہ پرست ملحدین کے تصور سے مختلف ہے۔ جو ہونے (existence) کو علم کا واحد ذریعہ بناتا ہے اور علم کے کسی ایسے طریقہ کار کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس سے مادی کائنات کے حقائق سے ماسوا کچھ معلوم ہو سکے۔ یہ دیگر مذہبی مابعد الطبیعاتی تصورات مثلاً فلسفہ وغیرہ سے بھی مختلف ہے۔ اسلامی تصور اور ان دیگر نظاموں کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے کہ اول الذکر مشاہدہ کائنات سے اس دعوے کے لیے ثبوت قائم کرتا ہے کہ علم کا دوسرا ذریعہ یعنی وحی موجود ہے، جبکہ مادہ پرست اس حقیقت سے انکار

کرتے ہیں، جس کا اشارہ ان کے تسلیم کردہ ذرائع علم سے ملتا ہے۔ جو انھیں تضاد کی کیفیت میں رکھتا ہے۔ دیگر مذہبی مابعد الطبیعاتی تصورات کے حامی ان ذرائع پر یقین رکھتے ہیں جن کی صداقت کا وہ اپنے پاس کوئی ثبوت نہیں رکھتے ہیں۔ الہامی وحی کو ہمیشہ علم کا حتمی ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے لیکن اسے کبھی بھی واحد ذریعہ نہیں سمجھا گیا۔ ماضی کے مسلم مفکرین نے اس بارے میں تفصیلی علم حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کی کہ قرآن کے قواعد اور تصورات کیسے حاصل کیے جائیں [1]۔

مآخذ:

"مآخذ" سے وہ ذرائع مراد ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے، یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کیے جاتے ہیں۔ قانون کی کتابوں میں ماخذ کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ ماخذ صوری: قانون کا وہ ماخذ ہے جس کے ذریعے قانون یا قانونی قاعدہ اپنا جواز اور اثر حاصل کرتا ہے۔ اور جو قانونِ ملک کو مستند بناتا ہے۔

۲۔ ماخذ مادی: قانون کا وہ ماخذ ہے جس سے قانون یا قاعدہ اپنا مواد حاصل کرتا ہے اور ماخذ صوری سے اس کو اثر و خاصیتِ قانونی حاصل ہوتی ہے۔[2]

اصول فقہ کی کتب میں عمومی طور پر فقہ اسلامی کے مآخذ چار بیان کیے جاتے ہیں: قرآن مجید، سنت، اجماع، قیاس صاحب نورالانوار کے نزدیک فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ تین ہیں: قرآن حکیم، سنت اور امت کا اجماع۔
نیز وہ قیاس کو ماخذ تو سمجھتے ہیں لیکن اس کو الگ ذکر کرتے ہیں اور فقہ کے بنیادی مآخذ میں اس کا شمار نہیں کرتے؛ اس لیے کہ قیاس ذریعہ اور آلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد تقی امینی (م۔۱۹۹۱ء) کے نزدیک فقہ اسلامی کے مادی مآخذ عمومی حیثیت سے بارہ ہیں:
قرآن حکیم، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، استدلال، استصلاح، مسلَّمہ شخصیتوں کی آراء، تعامل، عرف وعادت، ماقبل کی شریعت، ملکی قانون۔

مولانا محمد تقی امینی کے نزدیک اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ماخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے۔ اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کرکے ان کی تعبیر و توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں، مثلاً قیاس کے عموم میں استحسان، استصلاح وغیرہ داخل ہیں۔ اجماع میں تعامل اور عرف وعادت داخل ہیں۔ ماقبل کی شریعت قرآن یا حدیث کے عموم میں آتی ہے۔ ملکی قانون تعامل میں شمار ہو سکتا ہے۔ رائیں اگر قیاس پر مبنی ہیں تو ان کا شمار قیاس میں ہوگا ورنہ وہ سماع پر محمول حدیث کے ذیل میں آجائیں گی۔ استدلال بھی قیاس کے قریب ہے۔[3]\

---

[1] Louai Safi. The foundation of Knowledge: A comparative Study in Islamic and Western Methods of Inquiry. (Malaysia: Selangor Darul Ehsan, IIUM.1996). p. 180

[2] Salmond, Usūl-e-Qānūn, Translator: Mawlvi Syed ʿAlī Razā (Hayderabad: Dār al-ṭabʿa Jāmʿa ʿUth ānī), 189.

[3] Muhammad Taqī Amīnī, Fiqh-e-Islāmī ka Tārīkhī Pass-e-Manzar, 58.

بنیادی مصادرِ شریعہ:

اسلام میں قرآن وسنت کو بنیادی علم، مصادرِ شریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ قرآن سے احکامات و قواعد کے اخذ اور اس کی تفسیر سے قبل درج ذیل باتوں کا التزام رکھنا ضروری ہے۔

1) قرآن کو سمجھنے کی پہلی ضرورت عربی زبان کو سمجھنا ہے۔

2) دوسری ضرورت یہ ہے کہ قرآن کے بیان کی ترجمانی کا لحاظ رکھا جائے۔ جب ہم عربی کے عمومی معنی جان لیں تو خود قرآن کی مدد سے کسی خاص حکم کو اخذ کریں۔ کیونکہ قرآن خود قرآن کی وضاحت کرتا ہے۔

3) قرآن مجید کی صحیح تفہیم کے لیے تیسرا تقاضا رسول اللہ ﷺ کی احادیث، احوال و اقوال اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کے آثار سے آگاہی ہے۔

4) اگر کسی آیت یا حدیث کے مفہوم پر اتفاق رائے یعنی اجماع موجود ہو تو اسے اس آیت یا حدیث کا صحیح مطلب شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح مفہوم کے تعین کا ایک طریقہ اور ہے جسے قیاس کہا جاتا ہے۔ قیاس قرآن سے براہ راست حقائق حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ حکم کو جاننے کا ایک طریقہ ہے، جس کا ذکر قرآن میں خاص طور پر نہیں ہے۔ قیاس بطور لفظ تشبیہ کی وضاحت کرتا ہے: ہم قرآن وحدیث میں پڑھتے ہیں کہ A کا حکم B ہے۔ اب ہمیں کچھ X ملتا ہے جو A سے ملتا جلتا ہے، دونوں کے درمیان مماثلت کی وجہ سے ہم X کا حکم بھی B شمار کر لیتے ہیں۔ اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

5) ایک بہت اہم ضرورت اخلاص ہے۔ کوئی بھی شخص زبان پر عبور حاصل کر سکتا ہے، وہ نبی ﷺ کی احادیث کو زبانی یاد کر سکتا ہے، یا قرآن حفظ کر سکتا ہے، وہ ان آیات کے محض سطحی معنی ہی جان سکتا ہے، لیکن حقیقی معنی اللہ تعالیٰ عطا کرے گا، وہ معنی جو کسی کی زندگی کو متاثر کرتا ہے اور اسے ہدایت و رہنمائی دیتا ہے، یہ صرف اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو مخلص ہو۔ لہٰذا اسلام میں علم کی کسی بھی قسم خواہ وہ انکشاف کردہ ہو یا اخذ کردہ، کی بنیاد در حقیقت قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ ہی ہے۔

حصولِ علم کے دیگر ذرائع:

حصولِ علم کے متعدد ذرائع ہیں۔ اسلام ان تمام ذرائع اور ان ذرائع سے حاصل شدہ علم کو بحیثیت علم تسلیم کرتا ہے۔ علم کے معروف ذرائع حواس، عقل، وجدان، وحی و الہام اور تاریخی روایات ہیں اور ان سب کی حیثیت مسلم و معتبر ہے۔ حواس خمسہ، عقل و فکر اور وحی (خبر صادق) تین ذرائع علم ہیں جن پر اسلامی علمیات میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ اسلامی تصور علم کے مطابق عقل تنہا، انسان کی مکمل رہنمائی اور ادراکِ حقیقت کے لیے ناکافی ہے۔ ہماری ذات اور کائنات کے متعدد ایسے پہلو پوشیدہ ہیں جن کی اصل حقیقت سے آگاہی وحی یعنی خبرِ صادق کے علاوہ ممکن نہیں ہو پاتی۔ اس حقیقت کے لحاظ سے مسلم مفکرین راہِ اعتدال پر گامزن دکھائی دیتے ہیں اس لیے کہ وہ ایک جانب بطور ذریعہ علم عقل کی حیثیت و اہمیت کو باقاعدہ طور پر تسلیم و قبول کرتے ہیں اور دوسری طرف عقل کو خطا سے محفوظ کرنے، گمراہی سے بچانے اور اس کی رہنمائی کے لیے وحی کو بھی لازمی طور پر مستقل ذریعہ علم مانتے ہیں۔

اسلام مختلف علمی منابع کی حد بندیوں اور ان کے مراتب و مدارج کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ ان کی قدر و قیمت ان کی نوعیت مزاج اور ان کی فطری صلاحیتوں کے حوالے سے متعین کرتا ہے۔ اس بارے میں اس کا رویہ بالکل سائنٹیفک اور حقیقت پسندانہ ہے۔ جہاں حسی علم کا تعلق ہے حواس کو اہمیت دی جاتی ہے جہاں عقل و قیاس کا واسطہ ہے دلائل و براہین کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ جہاں تاریخ و روایت سے کام چل سکتا ہے نقلی علم سے استشہاد کرنے پر ابھارا جاتا ہے۔

"فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"[4]

'اگر تمہیں خبر نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو'

جہاں سب انسانی ذرائع علمی جواب دے جائیں اور یقینی جواب نہ دے پائیں تو اسلام اعلانیہ طور پر الہامی علم کو بیان کرتا ہے۔ یہی آخری علم ہر لحاظ سے اعلیٰ اور یقینی ہے مگر اس کی اکملیت اور حقیقت سے دوسری علمی اقسام کے نمو اور استعمال پر کوئی آنچ نہیں آتی البتہ ان کی تصحیح و ترمیم کا عمل شروع ہو سکتا ہے گویا وحی و الہام دیگر علمی ذرائع کے پرکھنے کا ایک معیار ہیں اور ان میں موجود علمی خلا کو پُر کرنے اور ان کی کج روی کو درست کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ تو دنیوی علوم کی سوشل سروس ہوئی اس سے ان علوم کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ساری علمی روایت قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک معروف ذرائع علم کی نہ صرف معترف بلکہ قائل اور مؤید ہے۔ اب ذیل میں علم کی تین اہم اقسام حسی، فکری اور الہامی کی درجہ بندی بندی پیش کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ تینوں اقسام آپس میں حیاتیاتی طور پر باہم متصل و مربوط ہیں اور ان میں باہم کسی قسم کا تضاد نہیں۔ ابو الکلام آزاد نے کیا خوب لکھا ہے کہ "یہ تینوں ایک دوسرے کی خدمت، تواضع اور تکمیل کرتی ہیں۔ ان میں کوئی فطری دشمنی نہیں، ہاں ہر قسم کا مخصوص دائرہ عمل ہے جو اسے دیگر دائروں سے ممیز کرتا ہے۔ بہر حال ان کی آپس کی تعلق داری دوستانہ رویہ کی غماز ہے نہ کہ مخالفانہ طرز عمل کی۔ جیسا کہ غلطی سے یورپ امریکہ میں سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کا حسی علم نہایت ہی مفید اور معتبر ہے یہی حال عقلی و فکری علم کا ہے مگر ایسے امور پیش آجاتے ہیں کہ یہ دونوں ان کی گتھیاں سلجھانے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اب یہاں وحی یا الہام مدد کیلئے آگے بڑھتے ہیں اور ہمیں صراط مستقیم پر لگا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں گویا جہاں فکر و حس کے پر جلتے ہیں وہاں وحی والہام محو پرواز ہو جاتے ہیں۔"[5]

حسّی علم

تجربی اور تجرباتی عمل ایک زندہ حقیقت ہے۔ اسلام اس علم کا قائل اور علمبردار ہے۔ بقول ڈاکٹر اقبال: "اسلام کا یومِ پیدائش فکر استقرائی کا یوم ولادت ہے۔ حقیقت اگر جانیئے تو اندلس کے عربوں نے ہی جدید سائنس کی بنیاد رکھی تھی۔ سائنسی منہاج انھی کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے۔ فرانسیسی محقق رابرٹ بریفو کی یہ تحقیق ہے جس کا اب یورپ معترف ہو چلا ہے۔ حسی علم حواس خمسہ کی تخلیق ہے اور حواس عطیہ ربانی ہیں اس عطیہ کا شکرانہ فرض ہے اور انھیں صحیح سمت استعمال کیا جانا لازمی ہے۔ ان کے استعمال کے مطابق باقاعدہ ربِ کریم کے ہاں بازپرس ہوگی۔[6]"

قرآن مجید میں فرمان ہوتا ہے۔

"إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا"[7]

یعنی بے شک سماعت و بصارت اور دل، تمام اس کی بارگاہ میں جوابدہ ہوں گے۔ قرآن بار بار مشاہدہ فطرت کی دعوت دیتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ملاحظہ ہو۔

[4] Al-Nahal, 7:21.

[5] Dr. Mushtaq Gorahā, Ilm-ut-Ta'līm (Lahore: Maktabah Ilm o 'Irfān, 2017 A.D), 22.

[6] Dr. Allama Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious thought in Islam.

[7] Al-Asrā', 36:17.

"أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ-وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ-وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ-وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ"-[8]

' کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے تخلیق کئے گئے ہیں؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑو ں پر نظر نہیں رکھتے کہ کیسے نصب کر دیئے گئے؟ اور زمین پر نظر نہیں ڈالتے کہ کس طرح بچھا دی گئی؟'

ڈاکٹر مشتاق احمد گوراہا "مشاہدہ فطرت" کے مطالعہ کی تشریح میں کہتے ہیں کہ قرآن کی کل آیات میں ۷۵۶ آیات مشاہدہ فطرت سے متعلق ہیں۔ مظاہر فطرت سے آنکھوں کو پھیر لینا اور اُن کی تعبیر میں غفلت برتنا یہ سب باتیں قابل مؤاخذہ ہیں۔ اگر ماہرین آثارِ قدیمہ تاریخی کھنڈرات کی زیارت سے محض سیر و تفریح کا کام لیں اور اُن سے سبق حاصل نہ کریں تو قرآن اس علمی روش کا سخت نوٹس لیتا ہے وہ مشاہدے کو زیادہ با معنی اور با مقصد بتانا چاہتا ہے اور اسے نچلی سطح پر جوں کا توں رکھنے کا قائل نہیں۔ یہ ہے حسی علم کے بارے میں اسلام کا رویہ۔[9] "

اسی کیفیت کی تشریح کرتے ہوئے نیلر کہتا ہے کہ "حسی علم کا پیراڈائیم جدید سائنس ہے۔ سائنسی مفروضات کی مشاہدے یا تجربے کے ذریعہ تائید یا تردید کی جاتی ہے۔ کسی بھی مفروضے کا کامل ردّ و قبول ممکن نہیں ہوتا، کچھ نہ کچھ کمی ضرور رہ جاتی ہے۔ اس لئے قطعیت کی بجائے اغلبیت یا امکانیت کے حوالے سے بات کی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ بات کبھی بھی یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ مستقبل، ماضی سے مکمل مطابقت رکھے گا اور جس طرح ایک صورتِ حال پہلے پیش آچکی ہے۔ بعینہ وہی مستقبل میں بھی اسی انداز میں پیش آسکتی ہے۔[10] "اسی حوالے سے مزید تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر مشتاق لکھتے ہیں کہ "حسیات کبھی بھی دھوکہ دے جاتی ہے مگر اس سے ان کی افادیت اور اہمیت پر حرف نہیں آتا۔ ہاں یہ دعویٰ کہ ساری حقیقت صرف محسوسات تک محدود ہے اور ماورائے محسوسات سب فریب ہے، اسلامی نقطہ نظر سے غلط اور خطرناک تصور ہے یہ خلاف حقیقت بھی ہے اور غیر منطقی بھی۔ دورِ جدید میں فلسفہ وجودیت اس نقطہ نظر کے خلاف پرزور صدائے احتجاج ہے۔[11] "

سائنسی تجربہ حق ہے مگر سائنسی حقیقت یا سائنسی فلسفہ کلّی طور پر اوّل تا آخر ہر خارجی عامل کے زیرِ اثر یکساں نہیں ہوتا بلکہ تغیر پذیر ہوتا ہے لہٰذا یہ سالم حق کا ترجمان نہیں ہوا کرتا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں کہ "صاحبانِ علم سائنسی امر واقعہ اور سائنسی حقیقت کے درمیان حدِ اعتبار کھینچنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اعداد و شمار اور حقائق خود نہیں بولتے، ان کی زبان سائنس دان بن جاتے ہیں۔ سائنس سے پیدا شدہ فلسفہ چونکہ عقلی تفکر پر مبنی ہوتا ہے اور عقلی تفکر ہمیشہ حق کا ترجمان نہیں ہوتا۔ اس لئے سائنسی تجربے کو برحق ماننے کے باوجود سائنسی فلسفہ کو نقد و جرح کے بغیر قبول نہیں کرنا چاہیے اور جب قبول کیا جائے تو اسے محض ثانوی حیثیت دی جائے کیونکہ سائنسی نظریات برابر تغیر پذیر رہتے ہیں اور سائنسی حقیقت ابھی زیر تکمیل ہے۔[12] "اسی قسم کی باتیں مفصل انداز میں جدید سائنس کے مشہور نقاد جوڑ (1933) نے کی ہیں تو ثابت یہ ہوا کہ سائنسی علم نہایت مفید اور کار آمد شے ہے مگر سائنسی نظریات حرف آخر

---

[8] Al-Ghāshiyah, 17-20:88.

[9] Dr. Mushtaq Gorahā, Ilm-ut-Taʿlīm, 23.

[10] Knelier, George F, New York, 1971, p21

[11] Dr. Mushtaq Gorahā, Ilm-ut-Taʿlīm, 23.

[12] Dr. Syed ʿAbdullah, Nazriya Pākistān aur Naṣābī Kutub (Lahore: Punjab Text book board, 1971), 137.

نہیں۔ ان کے رد و قبول میں احتیاط لازمی ہے۔ حسی و تجربی علوم زندگی کا شدید تقاضا ہیں ان کے بغیر کاروبارِ حیات چل ہی نہیں سکتا اور مادی ترقی اور بہبود کا زیادہ تر دارومدار انھی علوم پر ہے۔ تسخیر کائنات کا سارا کھیل اسی کے بل بوتے پر کھیلا جارہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے کارنامے زبان زدعام ہیں۔ ان کی عظمت میں دن بدن تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور مستقبل میں عظیم الشان امکانات موجود ہیں اتنے مفید اور بار آور علم کو اسلام کیسے نظر انداز کر سکتا ہے اور جس علم پر خود خدا کا دست شفقت ہو اسے اللہ کے رسول ﷺ اور مومنین کیسے پس پشت ڈال سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے تجربی علم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مدینے کی کھجوروں کے پھل پھول بڑھانے والے تجربات کی آپ نے توثیق فرمائی اور ساتھ ساتھ تجربی اور الہامی علم کا فرق بھی بتلادیا۔ اسی طرح ٹیکنالوجی میں آپ ﷺ نے خاصی دلچسپی۔ ہم عصر بہتر جنگی ٹیکنالوجی سیکھنے کیلئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی جماعت کو جرش کر طرف روانہ فرمایا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بحری بیڑا تیار کرایا۔ عباسیوں اور اندلسیوں کے سائنسی وفنی کارنامے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں"۔[13] چنانچہ یہ بات مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتی ہے کہ حسی علم کو حتمی قطعیت حاصل نہیں ہوگی۔ اس کا گہرا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے اس کی حقانیت اور قطعیت کے بارے میں کچھ کہا جاسکتا ہے۔ اس کے معیارات کو الہامی علوم کی روشنی میں بھی مطالعہ کیا جانا نہایت طور پر مطلوب ہے۔

فکری علم

فکری علم کی تشریح میں رسل لکھتا ہے کہ: "اسے قیاسی یا برھانی علم بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ علم تفکر، دلیل اور برہان کی پیداوار ہے۔ اس میں حسیات کا دخل نہیں۔ منطق و فلسفہ فکری علم کے نمونے ہیں جہاں حسیّات کی حدود ختم ہوتی ہیں وہیں سے فکر و فلسفہ کے میدان کا آغاز ہوتا ہے۔ قیاسی علم کے اصول حسی تجرباب پر منطبق تو کئے جاسکتے ہیں مگر ان سے متسخرج نہیں کیے جاسکتے۔ قیاسی صداقتیں عالمگیر اور نہایت عمومی ہوتی ہیں۔ افلاطون کے نزدیک صرف یہی علم صحیح معنوں میں سچا ہے۔ رہا حسی و تجربی علم تو اس کی حیثیت تو محض رائے کی ہے جو سدا تغیر پذیر ہے گویا سچا علم دائمی اور غیر متغیر ہے۔ مگر یہ مثالیت پسندوں کا نقطہ نظر ہے۔ دیگر مکاتبِ فلسفہ اس بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔"[14]

ڈاکٹر مشتاق کے نزدیک فکری علم خالصتاً غور و فکر کا نتیجہ ہے، عقل کی حیثیت مسلم ہے یہی حقائق محسوس کو معنی پہناتی ہے اور خزف ریزوں کو جوڑ کو موتی محل تیار کر دیتی ہے۔ قرآن مجید عقل و شعور اور فکر و خیال کو ابھانے اور پروان چڑھانے کا قائل ہے وہ اپنی تعلیمات کے لئے انھی قوتوں کا اکثر سہارا لیتا ہے۔ قرآن مجید پہلو بدل بدل کر تدبّر، تعقّل، تفکّر، اور فہم و شعور کی دعوت دیتا ہے اور بعض مسائل کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ حسی علم بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ صرف عقل اور فکر کے ذریعے ہی ان گتھیوں کو سلجھایا جاسکتا ہے مثلاً تعلیمی، اخلاقی، سیاسی اور فلسفیانہ مسائل۔ یہاں تجریدی فکر کی پھلجھڑیاں چھوٹنے لگتی ہیں۔ یہاں حق کا معیار صرف عقل سمجھی جاتی ہے جسے حسی اور الہامی علم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ عقل کا خیال ہے کہ وہ کو خود مکتفی ہے"۔[15] یہ بات پیشِ نظر رہے کہ فکری علم لا محدود نہیں ہوتا۔ یہ شک سے شروع ہوتا ہے اور عموماً ظن و تخمین اور شک پر ہی ختم ہو جاتا ہے اور ظن، صداقت کا بدل نہیں بن سکتا اور نہ ہی حقیقتِ حال کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

[13] Dr. Syed ʿAbdullah, Nazriya Pākistān aur Naṣābī Kutub

[14] Bertrand Russell. *History of Western Philosophy*. (London: George Allen and Unwin Ltd. 1961). p.136

[15] Dr. Mushtaq Gorahā, Ilm-ut-Taʿlīm, 23.

"وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔"[16]

یعنی یہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور گمان حقیقت سے کچھ بھی واسطہ نہیں رکھتا۔

اگرچہ عقل آستانہِ حق کے قریب تر جا پہنچے، یقین اور حضورِ قلب عقل کی قسمت میں نہیں یہ کسی اور کا حصہ ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں[17]

جس طرح بعض مسائل کے حل میں حسی علم بے بس ہے اسی طرح عقل بھی بہت سے مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتی۔ ماورائی مسائل میں سوائے مذاق کے اس سے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ بقول ابنِ خلدون: "عقل جو کہ مثل سنار کے ترازو کے ہے وہ کیونکر پہاڑ تول سکتی ہے اور لطف یہ ہے کہ فلسفی آج تک فکری ناپ تول کے پیمانوں پر متفق بھی نہیں ہو سکے۔ زندگی کے بنیادی مسائل کے بارے میں ان میں آج تک شدید اختلاف چلے آرہے ہیں"۔[18]

بروبا کرنے اپنی مشہور کتاب "ماڈرن فلاسفیز آف ایجوکیشن" میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ عقل کی تمام کوتاہیوں کے باوجود اسلام عقل کو اس کا جائز مقام عطا کرتا ہے۔ اپنے دائرے میں عقل آزاد ہے مگر اسے نہ صرف دوسرے دائروں سے رابطہ رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے بلکہ کہیں ان کی اطاعت کا بھی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے حکم آگے عقل کو سر تسلیم خم کرنے کو کہا گیا ہے۔ خدا، نبوت، آخرت، جزا و سزا اور خیر و شر کی حقیقت کا عرفان بجز وحی والہام ممکن ہی نہیں۔ اسلام عقل کو وحی کے تابع رکھتا ہے اور اس کی مکمل خود مختاری کو تسلیم نہیں کرتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی دانش و عقل کو انسانی عقل پر فوقیت حاصل ہے"۔[19]

المختصر اسلام کا عقل کے بارے میں یہ رویہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے عقول میں بھی فرق مراتب ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی عقل انسانوں کی عقل سے برتر و اکمل ہے۔ اور اس کو ہی خزانہ غیب سے افادہ حاصل ہے۔ عقلی علوم کی تحدید کے حوالے سے قرآنِ کریم میں سورۃ جن میں یہ صراحت موجود ہے:۔

"عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا۔ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ"[20]

یعنی کوئی بھی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا مگر جسے اللہ اپنی مرضی سے یہ علم عطا فرمادے۔

الہامی علم

اب ہم وحی والہام کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔ حسیات مادیات تک محدود ہیں آگے انھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہیں سے فکریات کا مرحلہ آگے بڑھتا ہے اور وہ ماورائے محسوسات کو عقل و ذہن کی برقی لہروں سے چھونے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر یہ ظنّیات سے زیادہ

---

[16] Al-Najm, 28:53.

[17] Allama Muhammad Iqbāl, Kulliyāt-e-Iqbāl Urdu, 335.

[18] Ibn e-Khuldūn, Muqaddmah, Translation: Rāghib Rehmānī (Karāchī: Nafees academy, 1970 A.D), 270.

[19] John S. Brubacher. *Modern Philosophies of Education.* (New York: McGraw Hill Book Co. 1962). p.148

[20] Al-Jin, 26-27:72.

درجہ نہیں رکھتیں۔ جہاں فکریات تھک ہار کر بیٹھ جائیں اور حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں وہیں سے نبویات یعنی وحی والہام کا علم شروع ہو جاتا ہے۔ جس حقیقت کے متعلق فلسفی عقلی اندازے لگا تا رہتا ہے۔ اسے اللہ کا نبی یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔ گویا نبی حقیقت بلکہ حقیقتُ الحقیقت کا علم الیقین کی آنکھ سے نظارہ کر لیتا ہے۔ حقیقت کے نظارہ کی تڑپ نبی میں موجزن رہتی ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے جو اس مفہوم میں ہے کہ: "اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت کا نظارہ کرا دے"[21] کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ نبوی علم سائنس اور فلسفیانہ علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور یہ کہ وہ ان سے فائق و برتر نہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مشتاق گوراہا کا یہ شذرہ ملاحظہ کیجئے: "نبوی علم سے عقلی اعتبار سے استشہاد ہو سکتا ہے۔ بو علی سینا، غزالیؒ اور دیگر مسلمان حکماء نے اس حوالے سے کافی تحریری کام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔ انسان میں وہ دماغی اور ذہنی قویٰ ہیں جو حیوانات میں نہیں۔ اس طرح انبیاء کرامؑ میں علم و تعقل کی ایک ایسی قوت موجود ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی۔ اسے ملکہ نبوت یا وحی کہتے ہیں۔ یہی ملکہ غیبیات پر اطلاع پا لیتا ہے۔ یہ علام الغیوب کا خاص عطا کردہ علم ہے جو منتخب ہستیوں " پیغمبروں " کو عطا کیا جاتا ہے۔ یہ براہ راست اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ اور اسے دنیاوی واسطوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسے وحی والہام کہتے ہیں۔ وحی سے مراد اللہ کا اپنے دلی منشاء سے اپنے منتخب بندوں جیسے انبیاء، رسل وغیرہ کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہے۔ یہ اطلاع روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے۔ الہام سے مراد ایسا علم ہے جو بغیر کد و کاوش دل میں آ جاتا ہے۔ الہام پیغمبر کے علاوہ شعراء، ادباء اور موجدین کو بھی ہو جاتا ہے"۔[22]

درجہ کے لحاظ سے بلند مرتبہ اور زیادہ یقینی روحانی علم وحی ہے پھر الہام اور پھر کشف۔ وحی کی تین قسمیں ہیں۔ اشارے سے بات کرنا، پردے کے پیچھے سے ہم کلام ہونا اور فرشتے کے ذریعے کلام کرنا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ"۔[23]

اسی طرح اللہ کا نبی اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کرتا وہ لوگوں سے وہی کچھ کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کہلوانا چاہتا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ- إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"[24]

وحی کا علم بہر حال انسانی استعداد سے نہایت جداگانہ اور ممتاز کیفیت کا حامل ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے دونوں کے فرق و امتیاز کو بالکل روشن کر دیا ہے۔ یہ امتیاز ہی علم بالوحی کی ضرورت کی دلیل بن جاتا ہے۔ حسب ذیل نکات غور طلب ہیں :

1. علم بالوحی کا امکان خطا اور عدم تیقن کے نقص سے مبرا ہے۔ بخلاف اس کے انسانی علم میں یہ دونوں موجود رہتے ہیں۔

---

[21] یہ دعا کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، البتہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب میں اس کو اثر کہہ کر نقل کیا ہے۔ وورد في صيد الخاطر لابن الجوزي، قال: قد جاء في الأثر: اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْأَشْيَاءَ كَمَا هِيَ۔ ملا علی قاریؒ نے شیخ ابو مدین المغربی کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔وجاء في كتاب مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للملا علي القاري: قال الشيخ أبومدين المغربي: ينبغي للسالك أن يقول دائمًا (بعد امتثال الأوامر واجتناب النواهي) إلٰهِي أَرِنَا الْأَشْيَاءَ كَمَا هِيَ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ، وَأَرِنَا الْحَقَّ حَقّاً وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارْتِكَابَه۔

[22] Dr. Mushtaq Gorahā, Ilm-ut-Ta'līm, 26.

[23] Al-Shūrā, 51:42.

[24] Al-Najm, 3-4:53.

2. علم بالوحی ہمیشہ سے کامل اور غیر متغیر ہے جب کہ انسانی علم ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔
3. علم بالوحی کا موضوع نصب العین اور حاصل کرنے کا لائحہ عمل ہے۔ بخلاف اس کے انسانی علم کا موضوع محسوسات ہیں۔
4. علم بالوحی کا اخلاق کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ زندگی کو اخلاقی فضائل کے نمونہ کمال سے مطابق کس طرح ڈھالا جائے۔ جب کہ انسانی علم اخلاق ابھی تک اس بارے میں گرفتار ہے کہ فضائل اخلاق کیا ہیں ان کا معیار کیا ہے اور ان کی فکری اساس کیا ہو سکتی ہے۔
5. علم بالوحی کے نزدیک معاشی مسئلہ یہ ہے کہ عادلانہ معاشی نظام کس طرح قائم کیا جائے اور معاشی جدوجہد میں تعطل کو کیسے دور کیا جائے۔ اس کے بخلاف انسانی معاشیات اس پر پیچ و تاب کھاتی ہے کہ تخلیق دولت کا نظام کیا ہے؟ اسے معاشی عدل سے کوئی غرض نہیں۔
6. علم بالوحی کی رو سے تاریخ کا مسئلہ یہ ہے کہ قوموں کی تجدید نو کیسے کی جائے جب کہ انسانی علم قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ڈھونڈنے میں سرگرداں ہے۔[25]

الہامی علم انسان کیلئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح حسی اور فکری علم۔ دراصل یہ علم انسان کی باطنی زندگی کا شدید تقاضا ہے۔ غالباً اسی لئے اقبال اسے باطنی تجربہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہرحال زندگی کے نہایت بنیادی مسائل ایسے ہیں جو حس و فکر کی قوتوں سے مؤثر طور پر یقین و اعتماد کے ساتھ نہیں سلجھائے جاسکتے۔ ان کے حل کیلئے نبوی علم کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ عمل کیلئے یقین، جذبہ اور ذاتی مثال کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ نبوی علم جذبہ و یقین بھی مہیا کرتا ہے۔ اور ذاتی نمونہ بھی پیش کرتا ہے اور پھر ایسے مسائل کے بارے میں جہاں عقل حیران و پریشان رہ جاتی ہے اور یقینی بات کرنے سے قاصر ہے مثلاً حیات و کائنات کی پیدائش، خالق کائنات کی ذات و صفات، حیات بعد الممات، جزاء و سزا، خیر و شر، جبر و اختیار، ہستی و نیستی، روح و بدن پھر کتنے اقتصادی و معاشرتی، اخلاقی و سیاسی اور روحانی مسائل ہیں جو نبوی علم کے بغیر مؤثر طور پر حاصل ہو ہی نہیں سکتے۔ بیسویں صدی کی مہذب دنیا تاحال نسلی تعصب کو ختم کرنے کا نسخہ نہیں ڈھونڈ سکی۔ یونیسکو کی تحقیقات اپنے عجز و ناکامی کا کھلا اعتراف کر رہی ہے۔ یہ اُمی کی زبان نبوت کا کرشمہ ہے کہ ایک ہی حکم میں عرب و عجم کے پختہ تعصبات کو بھسم کر ڈالا۔ اخوت، مساوات، عدل و انصاف، رواداری، محبت، انسانیت نوازی غرض یہ کہ کتنے اعلیٰ اوصاف ہیں جن میں کوئی فلسفی اور سائنسدان نبی کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ سچ بات ہے نبی سے بڑھ کر انسانیت کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں۔ جو بندے اور اللہ تعالیٰ میں ربط پیدا کر دے اس سے بڑھ کر انسانوں کا محسن کوئی نہیں ہو سکتا۔

[25] Burhān Ahmad Fārūqī, Allama Iqbāl aur Makhṣūṣ ṣūfiyānah waridāt (Lahore: Shoaʽbah Falsafa, Jamiaʽ Punjāb, 1980 A.D), 10-12.